خصوصی تحریر : مفکر اسلام مولانا عبدالخالق قدوسی شہیدؒ

امام حافظ محمد گوندلویؒ

اور

جامعہ سلفیہ

وقت کے امام بخاریؒ اور دور حاضر کے ابن تیمیہؒ شیخ العرب والعجم امام محمد گوندلوی علم وعمل سے بھرپور زندگی گذار کر اور اپنے پیچھے کبھی نہ پر ہونے والا خلا چھوڑ کر خالق حقیقی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اپنے لاکھوں عقیدت مندوں اور ہزاروں تلامذہ کو نہ ختم ہونے والا درد والم دے گئے جو آپ کے انتقال پُر ملال پر ایک عرصہ تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ آج حضرت کی وفات کو ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور دل پہ جبر کر کے قلم کو ہاتھ میں لیا ہے لیکن طبیعت ابھی تک حاضر نہیں دل ودماغ میں جذبات کا وہ تلاطم ہے جو جگر کی گرمی سے بخارات بن کر آنکھوں میں موجزن ہے اور معمولی سے اشارہ سے سیل مواج کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے　　　بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفان کئے ہوئے

میں نے حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خاص تلامذہ سے بھی عرض کیا ہے کہ وہ حضرت صاحب کے متعلق کچھ لکھیں لیکن ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت بھی اس حادثہ سے اس قدر متاثر ہے کہ ابھی اپنے جذبات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کے لیے اپنی طبیعت کو آمادہ نہیں پا رہے۔ اس سکتہ کے عالم میں جس نے کچھ لکھا اس کی بڑی ہمت ہے مجھ میں تو ابھی ہمت نہیں کہ میں اس سلسلہ میں باقاعدہ کچھ لکھوں ہاں چند چیزیں حاضر خدمت ہیں جن کی حیثیت اوراق پریشاں سے زیادہ نہیں۔ تاہم حضرت کی کتاب زندگی کے یہ چند ورق ذاتی اور جماعتی دونوں اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں میں حضرت کی زندگی کے اس دور کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں آپ کو بڑے قریب سے دیکھا۔ جامعہ سلفیہ کا قیام اور اس میں آپ کی آمد جمعیت اہل حدیث کی تاریخ کے خاص واقعات میں سے ہیں۔ اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ میں آپ کی آمد سے پہلے جامعہ کے قیام کا پس منظر اور اس کے اغراض ومقاصد کا مختصر الفاظ میں ذکر کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے مؤرخ کے

لیے بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

ایک معیاری درس گاہ کا تصوّر :

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے موقع پر مشرقی پنجاب میں ہولناک قتل وغارت کی صورت میں مسلمانوں پر قیامت صغریٰ گذر گئی جس میں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہزاروں عصمتیں سربازار لوٹ لی گئیں بستیوں کی بستیاں نذر آتش کردی گئیں مسجدیں ویران اور مدرسے برباد ہو گئے بڑے بڑے کتب خانے اور لائبریریاں مٹ گئیں۔ چوں کہ اس علاقہ میں اہل حدیث کی کافی تعداد تھی بڑے بڑے علماء اور دینی مدارس تھے قدرتی طور پر وہ ان حالات سے زیادہ متاثر ہوئے نہ صرف ان کے مذہبی ادارے برباد ہوئے بلکہ بہت سے علماء موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور اس کا صحیح احساس جماعت کو اس وقت ہوا جب اس نے پاکستان میں باقاعدہ اپنی منتشر قوت کو منظم کرنے کی کوشش کی اور نئے حالات میں نئے عزم کے ساتھ دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اس موقع پر ہمارے بزرگوں نے ایک ایسے دارالعلوم کی ضرورت محسوس کی جو اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہو جس میں مختلف علوم میں ماہر اساتذہ کو اکٹھا کیا جائے اور اس ادارے سے فارغ ہونے والے نہ صرف اچھے معلم اور مدرس ہوں بلکہ وہ بہترین مصنف اور دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے والے اصحاب ذوق اور اہلِ تحقیق بھی ہوں ان کی انگلیاں زمانے کی نبض پر ہوں اور وہ کسی بھی مشترکہ پلیٹ فارم پر جماعت کے لیے باعث افتخار ہوں دین و دنیا کے مسائل میں ان کی اپنی سوچ ہو۔ وہ حالات سے نہیں حالات ان سے متاثر ہوں۔ یہ تصور اور پھر اس کا خاکہ جن دماغوں کی پیداوار ہے ان میں امام العصر حضرت مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔ مجاہد کبیر مولانا محمد علی قصوری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ۔ مولانا محی الدین قصوریؒ۔ شیخنا العلام امام محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف ندوی مدظلہ العالی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان مقدس ہستیوں نے طویل غور وخوض کے بعد دارالعلوم کا خاکہ آخری منظوری کے لیے ۱۹۵۶ء میں دوسری اہلحدیث کانفرنس منعقدہ ملتان کے موقع پر مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا۔ جس نے اسے پسند کیا اور منظوری دے دی آگے چلنے سے پہلے یہاں اس وقت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ایک اقتباس ملاحظہ فرماتے چلیں جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے آپؒ فرماتے ہیں۔

"ملتان کانفرنس کے فوراً بعد مجلس عاملہ منعقدہ ۳ ۲ کے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش ہوا اور صدر محترم مولانا سید داؤد غزنوی نے اپنے مدرسہ تقویۃ الاسلام کی بلڈنگ عظیم اور نایاب

کتب خانہ اور خود اپنی تمام تر خدمات مرکزی دارالعلوم کے لیے پیش کیں اور لائل پوری احباب نے اس امر کی پیشکش کی کہ اگر دارالعلوم لائل پور میں قائم کیا جائے تو ہم اس کے لیے ہر ممکن قربانی کریں گے۔ کچھ عرصہ بعد صدر محترم نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنی تجویز واپس لے لی اور مجلس عاملہ نے دارالعلوم کے لیے لائل پور کو حتمی طور پر منتخب کر لیا اور تیسری سالانہ کانفرنس منعقد لائل پور کے موقعہ پر اس زمین پر جامعہ سلفیہ کا سنگ بنیاد نصب کر دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے کوٹ امین متصل لائل پور کے ایک مرحوم اہل حدیث بزرگ نے وقف فرمائی تھی" (الاعتصام لاہور، ۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء)

جامعہ سلفیہ کا قیام :

۳-۴-۵ اپریل ۱۹۵۵ء کو لائل پور میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے موقع پر مرکزی دارالعلوم کا نام جامعہ سلفیہ تجویز ہوا۔ کانفرنس کے آخری دن ۵ اپریل کو شیخوپورہ روڈ پر اس کے لیے وقف شدہ زمین پر اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر جن مقدس ہستیوں نے شرکت کی ان میں سید داؤد غزنوی۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی میاں مبارک ؒ صوفی عبداللہ صاحب ؒ اور حکیم نوردین ؒ کے علاوہ جماعت کے بہت سے بزرگ علماء موجود تھے۔ اس کے بعد مذکورہ زمین کو سرکاری کاغذات میں انجمن اہل حدیث لائل پور کے نام منتقل کرایا گیا جو غالباً ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے اگرچہ جماعت نے ۱۹۵۵ء میں مزید دو مربعہ زمین خریدنے کی پوری کوشش کی اور اس سلسلہ میں کافی پیش رفت بھی ہوئی لیکن اس سال پنجاب کے خوفناک سیلاب نے یہ منصوبہ ناکام کر دیا۔

جامعہ میں تعلیم کا آغاز :

۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۱ جون ۱۹۵۶ء میں تعلیمی پروگرام کا آغاز اس طرح ہوا کہ اس کے درجہ تکمیل کا اجرا التقویۃ الاسلام لاہور میں ہوا جس میں صرف فارغ التحصیل طلبہ کو داخل کیا گیا اور تدریس کے فرائض حضرت مولانا سید داؤد غزنوی ؒ۔ حضرت مولانا اسماعیل سلفی ؒ۔ حضرت مولانا حنیف ندوی مدظلہ۔ مولانا شریف اللہ خاں اور حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف مدظلہ نے سنبھالے۔ اور اس سے اگلے دن ۲۲ جون کو لائل پور کی جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار میں نماز جمعہ کے بعد سید داؤد غزنوی ؒ کی تقریر سے اس کے درجہ ثانویہ کا افتتاح ہوا اس تقریب میں وہاں کے علماء اور کاروباری حضرات نے کافی تعداد میں شرکت کی۔

یہاں بطور تبرک سید صاحب ؒ کے خطاب کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے سید صاحب نے فرمایا :

"ہم نے درجۂ تکمیل کا افتتاح تو لاہور میں کر دیا ہے لیکن جامعہ سلفیہ کی ثانوی تعلیم کے لیے ہم نے لائل پور ہی میں درس گاہ قائم کرنا ضروری سمجھا۔ اس درس گاہ کے لیے ہمیں مولانا محمد اسحاق صاحب (صدر جمعیت اہل حدیث شہر لائل پور) اور مولانا محمد صدیق صاحب (ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث ضلع لائل پور) کی خدمات حاصل ہو گئی ہیں اور مولانا میاں محمد باقر صاحب نے ازراہ کمال اخلاص اور وفاداری جماعت مولانا محمد حسین صاحب طور مولوی فاضل مدرس مدرسہ تاندلیانوالہ کی خدمات بھی ثانوی مدرسہ کے لیے منتقل کر دی ہیں۔
اب ہم مطمئن ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ثانوی تعلیم کا انتظام یہاں پر بہتر صورت میں ہو گا۔ اس مسجد میں جو پہلے سے ایک مدرسہ (مولانا عبداللہ[۱] ویروالوی کا) موجود ہے میں مدرسہ کے منتظمین سے بھی یہی عرض کروں گا کہ وہ جماعتی نظام کی خاطر اپنا تمام عملہ اور کتب خانہ اور اپنا سارا اثاثہ جامعہ سلفیہ کی طرف منتقل کر دیں اور جس طرح مرکزی جمعیت کی مجلس عاملہ نے لاہور میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کو اپنا مرکزی مدرسہ قرار دینے کا فیصلہ کیا تو میں نے اپنا تمام کتب خانہ مدرسہ کی عمارت اور اس کا سرمایہ مرکزی دارالعلوم کے لیے منتقل کر دینے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ افسوس کہ انتظامی وجوہ کی بنا پر مرکزی دارالعلوم کا قیام لاہور میں نہ ہو سکا اور اس کی جگہ لائل پور میں جامعہ سلفیہ کی تجویز جماعت نے منظور کی لیکن اب بھی میرا ارادہ ہے کہ جب بھی لائل پور میں جامعہ سلفیہ کی عمارت مکمل ہو جائے اور جامعہ سلفیہ کی تمام تعلیم وہاں شروع ہو جائے میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کو اس میں مدغم کر دوں اور اس کا کتب خانہ وغیرہ جامعہ کے سپرد کر دوں اور خود بھی اپنی زندگی کے بقیہ ایام وہیں بسر کروں اور خدا کرے کہ میری قبر بھی وہیں بنے۔" (الاعتصام ج ۷، نمبر ۴۶، ۲۹ جون ۱۹۵۶ء)

لائل پور میں مولانا محمد اسحاق چیمہ صاحب اور مولانا محمد صدیق صاحب نے کچھ اسباق پڑھانے کی ذمہ داری قبول کی ان کے علاوہ مولانا محمد حسین طور مرحوم اور مولانا عبدالحی حنفی کو بطور

ص[۱] انتہائی کوشش کے باوجود جماعت مولانا عبداللہ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب نہ ہو سکی ان کی آخری شرط یہ تھی کہ جماعت بیس سال کے لیے انہیں اپنا سربراہ تسلیم کر لے یہ غیر شرعی شرط جماعت تسلیم نہ کر سکی مولانا عبداللہ اپنا مدرسہ دوسری جگہ لے گئے۔ (قدوسی)

مدرس مقرر کیا گیا۔ مولانا محمد حسین طور کے ساتھ میاں باقر صاحبؒ نے اپنے مدرسہ میں اول اور دوم آنے والے دو طالب علم بھی جامعہ کے حوالہ کر دیئے اس طرح مجھے جامعہ میں حصول علم کا پہلے سال میں موقع مل گیا اور میں درجہ ثانویہ کی تیسری جماعت میں داخل ہوا۔ اہل شہر خاص کر مولانا محمد اسحاق چیمہ صاحب اور مولوی عبید اللہ احرار نے طلبہ سے جس شفقت اور محبت کا اظہار کیا وہ مجھے ابھی تک یاد ہے پورے ایک ماہ تک پر تکلف دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا ان ضیافتوں کے انداز میں خلوص اور محبت کے بے پایاں جذبات تھے جس کا اندازہ میزبان کے چہرے کی بشاشت سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ یہ سال بڑے سکون سے گذرا اساتذہ نے محنت سے پڑھایا طلبہ نے جی لگا کر پڑھا حضرت چیمہ صاحب کے پڑھانے کا انداز اور تفہیم مجھے اب بھی یاد ہے اگر یہ کاروبار میں نہ پڑتے تو بڑے کامیاب مدرس ہوتے۔

امام محمد گوندلوی کی جامعہ میں آمد

یوں تو سید صاحب اور آپ کے چند رفقاء نے جامعہ سلفیہ کے لیئے پہلے سال میں حضرت گوندلویؒ کو جامعہ میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے لانے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے پہلے سال کے آخر میں دوبارہ اس سلسلہ میں بھرپور کوشش کی گئی کہ نئے سال سے جب کہ جامعہ کے دونوں حصے فیصل آباد میں اکٹھے کیئے جا رہے تھے آپ اس منصب کو قبول کرتے ہوئے جماعت کی دیرینہ آرزو کو شرف قبولیت بخشیں حضرت حافظ صاحبؒ ان دنوں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں پڑھاتے تھے جس کا اہتمام گوجرانوالہ کی معروف سماجی اور کاروباری شخصیت حاجی محمد ابراہیم صاحب کے ہاتھ میں تھا حاجی صاحب جماعت کی تنظیم سے بھی منسلک تھے جب کہ حضرت حافظ صاحبؒ اس وقت مرکزی کابینہ میں نائب صدر کی حیثیت سے شامل تھے اس لیے انہیں ایک مقامی مدرسہ کی نسبت مرکزی دارالعلوم میں رہ کر کام کرنے کی صورت زیادہ بہتر نتائج کی توقع تھی ان عوامل کی موجودگی میں نیا سال شروع ہونے سے قبل جماعت نے ایک بار پھر کوشش کی آپ کے علاوہ حاجی ابراہیم صاحب سے بھی بات چیت کی آخر یہ گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور حضرت صاحبؒ جامعہ سلفیہ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس روئیداد کی ہلکی سی جھلک اس دور کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا محی الدین احمد قصوری مرحوم کے الفاظ میں پڑھیئے۔

ہم پورے وثوق اور دلی مسرت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے دیرینہ خواب کی تعبیر نصف شوال تک بروئے کار آجائے گی۔ یعنی جامعہ سلفیہ کی اعلیٰ جماعتوں کا افتتاح لائل پور میں عمل میں آرہا ہے جیسا کہ جماعت کے اکابر کی آرزو تھی۔ یہ درس گاہ انشاء اللہ پوری جماعت کی مرکزی درس گاہ ہو گی جو اس کمی کو جو بعض گذشتہ حوادث کی بنا پر ہمارے ہاں واقع ہوگئی تھی۔ جلد سے جلد پورا کرنے میں کامیاب ہوگی اور اس کے علمی فیوض سے نہ صرف مغربی پاکستان بلکہ ملک کے دوسرے گوشے بھی مستفید ہوسکیں گے۔ ہماری کوشش ہوگی اور ہماری دعا ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل نہ صرف اعلیٰ درجہ کے مدرس بھی ہوں بلکہ وہ نہایت اعلیٰ قسم کے مبلغ اور اونچے پائے کے مصنف بھی ہوں۔

اس راہ کی سب سے بڑی مشکل جو آج تک ہماری سنگ راہ میں ہے ممتاز اساتذہ کا ملنا تھا۔ سو خدائے لم یزل ولایزال کا ہزار ہزار شکر ہے کہ چند ایسے بزرگوں نے اس کی مسند درس کو مزین ومشرف فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے جو اس وقت نہ صرف ہماری جماعت میں ایک ممتاز علمی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ جن کی علمی قابلیت پورے ہندوستان میں مسلمہ ہے۔ سب سے پہلے ہم حضرت العلام حافظ محمد صاحب گوندلوی کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے اپنی گوناں گوں مصروفیتوں کے باوجود جامعہ سلفیہ میں مسند حدیث کو شرف پذیرائی عطا فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہم حاجی ابراہیم صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ وصدر بلدیہ گوجرانوالہ کے بھی بے حد ممنون احسان ہیں جنہوں نے جماعتی مقاصد اور جماعتی ضروریات کی اہمیت کے پیش نظر زبردست ایثار سے کام لیا اور انہوں نے حافظ صاحب موصوف کو اپنی درس گاہ چھوڑ کر جامعہ سلفیہ لائل پور میں شرکت فرمانے کو بطیب خاطر منظور کرلیا ہے۔

خلق از جزائے خیر تو دادن مقصر اند
پروردگار خلق تواند جزائے تو

حضرت حافظ صاحب کے ساتھ ہمیں مولانا عبدہ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے ہماری گذارشات کو شرف قبولیت فرماکر جامعہ سلفیہ لائل پور کے طلبہ کو اپنے

علوم سے بہرہ ور فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جن لوگوں کو مولانا موصوف سے تعارف ہے انہیں بخوبی معلوم ہے کہ مولانا علمی دنیا میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہم مولانا معین الدین لکھوی مہتمم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے بھی امید رکھتے ہیں کہ وہ جماعتی مقاصد اور جماعت کی مرکزی درس گاہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی فراخدلی سے کام لیں گے جس کا ثبوت حاجی صاحب موصوف نے دیا ہے۔

معقولات اور علوم فقہ کی تعلیم و تدریس کے لیے مولانا داؤد غزنوی نے اپنے مدرسہ تقویۃ الاسلام کو مدرسہ کی بزرگ ترین ہستی یعنی مولانا شریف اللہ صاحب[1] کے فیوض علمیہ سے محروم کر کے ان کی خدمات ایک سال سے جامعہ سلفیہ کے سپرد کر رکھی ہیں۔ مولانا شریف اللہ صاحب کی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں ہندوستان بھر کے علمی حلقے ان سے بخوبی واقف ہیں مولانا صاحب تمام علوم بالخصوص فقہ۔ اصول فقہ۔ منطق۔ فلسفہ۔ کلام وغیرہ علوم میں استاذ الاساتذہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم شکر گزار ہیں کہ مولانا شریف اللہ صاحب نے بھی جامعہ سلفیہ لائل پور میں تشریف لے جانے کے متعلق ہماری گزارشات کو قبول فرما لیا ہے۔"

(ہفت روزہ الاعتصام ج ۸ شمارہ ۴۱ ۱۰ مئی ۱۹۵۷ء)

اگرچہ ۱۹۵۷ء کے شروع میں ہی جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا آغاز ہو چکا تھا اور ۲۴ کمروں کا پہلا بلاک زیر تعمیر تھا لیکن اس عمارت میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ ناممکن تھا اس لیے سردست تمام کلاسوں کا اجرا جامع اہل حدیث امین پور بازار میں کر دیا گیا۔ ۷ اشوال ۱۳۷۶ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۵۷ء

---

[1] مولانا شریف اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ سلفیہ میں میں نے دو تین سال پڑھا آپ معقولات کے امام اور سراپا شفقت تھے میں نے اس پوری مدت میں آپ کو کسی شاگرد پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا طبیعت بالکل درویشانہ تھی آپ کو طلبہ سے بڑی ہمدردی تھی کچھ عرصہ آپ ہر روز شہر سے دو تین میل سفر کر کے آتے پیدل چلنے کی آپ کو عادت تھی آتے جاتے ہوئے کئی لڑکے آپ سے بعض اسباق پڑھتے مرحوم اگرچہ حنفی تھے لیکن تعصب نام کو نہ تھا جامعہ سلفیہ کی بزم علم اجڑی تو آپ جامعہ مدنیہ لاہور میں آ گئے اور لاہور میں ۳۰ اگست ۱۹۷۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

کو جامع اہل حدیث میں افتتاحی اجلاس ہوا جس میں حضرت سید داؤد غزنوی اور حضرت مولانا اسمٰعیل سلفیؒ نے اظہار خیال فرمایا اس کے بعد امام گوندلویؒ نے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے بخاری شریف کا درس دیا جو آپ کا جامعہ سلفیہ میں پہلا درس تھا میں اس درس کے سامعین میں موجود تھا اور میں نے حضرت کی زیارت سب سے پہلے اسی موقع پر کی تھی۔ شرکاء اجلاس میں مقامی علماء اور معززین شہر کے علاوہ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ۔ حاجی ابراہیم صدر بلدیہ گوجرانوالہ۔ میاں دین محمد صاحب پیٹی والے لاہور۔ میاں فضل حق صاحب حافظ آباد اور گردونواح کے بہت سے لوگ موجود تھے۔

ان تین بڑے اساتذہ حضرت حافظ صاحبؒ۔ مولانا شریف اللہ صاحبؒ اور مولانا عبدہ صاحب کے لیے جامعہ کے قریب تین مکان کرائے پر لیے گئے باقی اساتذہ کا مسجد ہی کے بعض کمروں میں رہائش کا انتظام کر دیا گیا اور جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری مولانا محمد صدیق صاحب کے متعلق تھی آپ کی رہائش اس وقت مسجد کے عقب میں ایک دو مکان چھوڑ کر تھی کلاسوں کا آغاز بڑے خوشگوار ماحول میں ہوا۔ مولانا عبدالحی صاحب کے علاوہ باقی تمام اساتذہ سے لڑکے مطمئن تھے۔ تعلیم کے علاوہ لڑکوں کے تفریحی پروگرام بھی ہوتے تے۔ تاندلیانوالہ سے آنے والے لڑکے فٹ بال کے شوقین تھے جس وجہ سے جامعہ کی باقاعدہ فٹ بال ٹیم تھی۔ ایک تو مولانا محمد صدیق صاحب کی اور دوسرے مولانا محمد حسین طور مرحوم کی وجہ سے تاندلیانوالہ کے علاقہ کے کافی لڑکے جامعہ میں آ گئے کیونکہ مولانا صدیق صاحب بھی اس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح مدرسہ میں واضح تعداد ایک خاص علاقہ کے لڑکوں کی ہو گئی۔ اس کی وجہ سے طلبہ میں علاقائی تعصب کا رنگ نمایاں ہونے لگا جس نے بڑی تکلیف دہ صورت حال پیدا کر دی۔

طلبہ میں بے چینی

علاقائی تعصب کے جراثیم نے لڑکوں کو دو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا جس میں بعض اساتذہ بھی ملوث ہو گئے بدویت اور حضریت کی جاہلانہ بحثیں عام ہونے لگیں بلکہ ایک دفعہ اس موضوع پر بڑے لڑکوں میں مناظرہ بھی ہوا جس پر بدویت کی فضیلت میں متنبی کا یہ شعر پڑھا گیا جو مجھے اب تک یاد ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية
وفي البداوة حسن غير مجلوب

اس کے جواب میں شہریت کی فضیلت میں سورہ یوسف سے والذی جاء بکم من البدو پڑھا گیا۔ مناظرہ اگرچہ خاصے اچھے اور خوشگوار ماحول میں ہوا اور اس کی صدارت بھی اس وقت کے ناظم تعلیمات مولانا محی الدین قصوریؒ نے فرمائی لیکن اس کے پیچھے شعوری یا غیر شعوری طور پر وہی ذہن تھا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس باہمی کش مکش میں زیادہ تر بڑی کلاسوں کے لڑکے تھے جو مختلف مدارس سے اکٹھے ہو گئے اور کسی قدیم باہمی ربط کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے مانوس نہ ہو سکے۔ بڑے لڑکوں کی اس لڑائی سے مدرسہ بُری طرح متاثر ہوا۔ اسباق کے بار بار کے تعطل کی وجہ سے اکثر کتابیں ادھوری رہ گئیں بلکہ بعض سرے سے پڑھائی ہی نہ گئیں حضرت حافظ صاحبؒ عین وقت پر آتے اور سبق پڑھا کر گھر چلے جاتے اور یہی عادت مولانا شریف اللہ صاحبؒ کی تھی ان دونوں بزرگوں کی لڑکے دل سے عزت کرتے تھے اور انہوں نے کبھی مدرسہ اور طلبہ کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔ اسی شب و روز میں جامعہ کا دوسرا تعلیمی سال مکمل ہوا یکم مارچ سے چار مارچ ۵۸ئہ تک امتحان ہوا اور سالانہ تعطیلات ہو گئیں۔ اگلے سال جامعہ سے چھوٹی کلاسیں ختم کر دی گئیں میں واپس تاندلیانوالہ چلا گیا۔

اعلان

امام العصر علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کی مشہور ترین تصنیف

"الشیعہ والسنہ اردو"

کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ العزیز ماہ دسمبر کے اخیر میں اس کی طباعت بھی مکمل ہو جائے گی۔ بقیہ تصنیفات کا ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے۔

ادارہ

جنگل میں منگل

کہا تو یہی جاتا ہے کہ ۵۶ء کو جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور جامعہ اپنی عمر کے تیسرے سال ۱۹۵۸ء میں اپنی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا لیکن اس بے در و دیوار بلڈنگ کی صحیح کیفیت وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے اسے بچشم خود دیکھا ہے۔ چھتوں سے محروم چند ٹوٹی ہوئی دیواریں جن پر جامعہ سلفیہ کی عمارت کی تہمت تھی یا چند ایک ڈھانچے کمروں کے تھے جو عرصہ سے دروازوں اور کھڑکیوں کو ترس رہے تھے۔ زندگی کی ہر سہولت سے محروم زمین کا یہ ٹکڑا دور دور تک پھیلے ہوئے صحرا کا ایک حصہ تھا جس کی کل کائنات میں ریت کے ٹیلوں اور خود رو خاردار جھاڑیوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا برسات کے بعد بعض لوگ بارانی کی فصل بو لیتے باقی سارا سال زمین خالی پڑی رہتی گرمیوں میں جب گرم اور تیز ہوا چلتی تو اس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ریت کی کافی مقدار شامل ہو جاتی تیز آندھی میں جو کیفیت ہوتی ہو گی اس کا اندازہ آپ بآسانی لگا سکتے ہیں۔ ان دنوں نماز کے لیے کوئی باقاعدہ جگہ نہیں تھی ریت کے فرش پر کھلے میدان میں ہمارے شیخ امام گوندلوی ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے بارہا ایسا ہوتا کہ عین دوران نماز تیز آندھی ریت اور جھاڑیوں سے مسلح ہو کر ہم پر حملہ کر دیتی کانٹوں کی چبھن اور ریت کے ذرات کا آنکھوں پر حملہ ہم اب تک نہیں بھولے لیکن ہمارے شیخ کی کیفیت بالکل مختلف تھی جب وہ نماز میں کھڑے ہو جاتے تو وہ گرد و پیش کے حالات سے کافی حد تک لاتعلق ہو جاتے شدید ترین آندھی میں بھی ان کے خشوع و خضوع اور معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا نہ تو انہوں نے ان حالات سے متاثر ہو کر کبھی قرأۃ مختصر کی اور نہ سجدہ اور رکوع میں جلدی کی بلکہ نماز کے بعد نوافل اور وظائف کا جو معمول تھا اس میں بھی کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ بہر حال یہ دوسرا موضوع ہے۔ تو میں ذکر کر رہا تھا کہ ہمارے شیخ اور ان کے رفقاء نے کن حالات میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے خلوص اور مقصد سے جنون کی حد تک لگاؤ نے کسی طرح جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا۔ منگل کا یہ سماں کسی خوبصورت بلڈنگ اور دل فریب باغ سے نہیں بلکہ اس نفس قدسی کا فیض تھا جس کی طرف تشنگان علم کھچے ہوئے چلے آتے تھے۔ جہاں نہ چھتے کی مسجد تھی اور نہ انار کا درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ارباب دیوبند نے اپنے مدرسہ کا آغاز کیا تھا۔ برسات کا موسم بھی اپنے ساتھ بڑی

پریشانیاں سے کرا آتا طوفانِ باد و باراں کی صورت میں کھڑکیاں اور دروازے نہ ہونے کے باعث اکثر سامان بھیگ جاتا حتیٰ کہ جسم پر پہنے ہوئے کپڑے بھی محفوظ نہ رہتے۔ ایک دفعہ تو بڑی ہی تکلیف دہ صورت پیدا ہو گئی مولانا شریف اللہ مرحوم کے صاحبزادے اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے تھوڑی دیر بعد تیز اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی طلبہ نے کھڑکیوں اور دروازوں کے سامنے کپڑے تان کر ان معزز مہمانوں کو بارش سے بچانے کی پوری کوشش کی لیکن اوپر کے کھلے روشندانوں نے یہ کوشش بھی ناکام کر دی اس بلائے ناگہانی سے مولانا کے بچے خاصے پریشان ہوئے واپسی کے وقت مستورات کے کپڑوں سے بھی پانی ٹپک رہا تھا۔

وسائل کی کمی

اوپر جن حالات کا میں نے ذکر کیا ہے یہ جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ کے پیدا کردہ نہیں تھے بلکہ ان کا سبب وسائل کی کمی تھی اس سلسلے میں ہمارے اکابر بے بس تھے منصوبہ ہی اتنا بڑا تھا کہ اس کے تعلیمی اخراجات سے بہت کم رقم بچتی تھی جو تعمیر کی مد میں خرچ کی جاتی اس لیے تعمیر کا سلسلہ ابتدائی سالوں میں زیادہ ہی سست رہا جس کی وجہ سے اساتذہ اور طلبہ کو ان دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے یہ حالات بطور شکوہ نہیں بلکہ دورِ حاضر کے نازک مزاج طلبہ اور مرفہ الحال اساتذہ کے لیے موعظۃً بیان کیے ہیں جن کے لیے خوبصورت عمارتیں اور زندگی کی ساری سہولتیں میسر ہیں لیکن تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں دونوں کی حالت ناقابلِ یقین حد تک افسوسناک ہے نہ اساتذہ میں پڑھانے کا جذبہ ہے نہ طلبہ میں پڑھنے کا داعیہ شائد اسی لیے کہا گیا ہے بڑی عمارتیں شاذ و نادر ہی بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں۔ ہمارے شیخ نے انتہائی نامساعد حالات میں مسلسل کئی سال جامعہ سلفیہ کی ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر طلبہ کو درس دیا اور کبھی حرفِ شکائت زبان پر نہ لائے طلبہ نے شیخ کا پورا پورا اتباع کیا۔ ان کی اول اور آخر توجہ حصولِ علم پر مرکوز رہی شیخ کی برکت سے یہ شدائد و مشکلات اپنی حیثیت کھو چکے تھے اور طلبہ نے حضرت کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حضرت کے اس دور کے تلامذہ کی واضح اکثریت اس وقت علمی دنیا میں اپنا خاص مقام رکھتی ہے۔

حضرت کا ذوق عبادت اور طلبہ پر اس کے اثرات

حضرت امام گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ذوق عبادت کی دولت سے خوب خوب نوازا تھا آپ کی روحانی کیفیت بڑی بلند تھی۔ نماز کا وقت قریب آتا تو آپ بے چین ہو جاتے ہمیشہ اذان سے ذرا پہلے مصلی پر جا کر بیٹھ جاتے تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا جماعت ہمیشہ خود کراتے جماعت سے فارغ ہو کر کافی دیر ورد و وظائف میں مشغول رہتے آپ جماعت کے بعد نمازیوں کے ساتھ مل کر دعا کرنے سے عموماً پرہیز کرتے تھے البتہ دعوات مسنونہ کے بعد آپ کبھی کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے جس میں بعض نمازی جو اس وقت تک موجود ہوتے شریک ہو جاتے آپ ان کو روکتے نہیں تھے۔

تہجد کے شروع سے ہی آپ پابند تھے جس میں باقاعدہ قرآن پاک کے کئی پارے روزانہ تلاوت فرماتے اور آپ کا یہ معمول آخر تک رہا۔ رمضان کے مہینے میں یہ مقدار اور بھی بڑھا دیتے حضرت کی وفات سے کچھ دن بعد موضع کھوکھر کی گوجرانوالہ کے ایک بزرگ اسماعیل صاحب نے مجھے بتایا کہ تقریباً ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے میں اپنے سسرال گوندلانوالہ گیا رمضان کا مہینہ تھا میں تراویح کے لیے حضرت حافظ صاحبؒ کی مسجد میں چلا گیا آپ نے اس دن آٹھ رکعت میں دس پارے قرآن پاک پڑھا میں نے حیران ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے حافظ صاحب نے اتنا قرآن پڑھا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت کا ہمیشہ کا معمول ہے آپ رمضان میں ہمیشہ دس قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور لوگ پورے ذوق شوق سے شریک ہوتے ہیں۔

اگرچہ حضرت حافظ صاحبؒ نے کبھی بھی طلبہ کو وعظ کے رنگ میں تہجد اور نماز باجماعت کی تلقین نہیں کی تھی لیکن آپ کے اسوہ حسنہ اور ذوق عبادت کی خوشبو نے جامعہ کی پوری فضا کو معطر کر دیا تھا۔ لڑکوں کی معقول تعداد باقاعدہ تہجد گذار بن گئی۔ صبح کی نماز کے بعد اکثر لڑکے تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے نماز باجماعت کا شوق فزوں تر تھا تکبیر اولیٰ کے حصول کے لیے طلبہ کی کوشش قابل رشک تھی بلکہ صف اول میں جگہ کا حصول ایک مسئلہ تھا۔ پہلی صف میں صرف وہی لڑکا جگہ حاصل کر سکتا جو اذان سے پہلے وہاں پہنچ جاتا اذان کے بعد نماز کی جگہ جانے والے لڑکے کے لیے پہلی صف میں جگہ کا حصول تقریباً ناممکن تھا۔ مغرب کے بعد کھانا کھا کر عام طور پر لڑکے اپنے دوستوں کے ساتھ جامعہ کے ارد گرد

چہل قدمی کے لیے نکل جاتے اس دوران عشاء کی اذان ہوتی تو دوستانہ سیر و تفریح اور پیار و محبت کے جذبات پر نماز کی کشش غالب آجاتی اذان کے بعد جامعہ سے باہر ایک ایک لمحہ بے چینی کا باعث ہوتا۔

ایک صوفی کی آمد

گوجرانوالہ کے قریب کوٹ بھوانی داس ایک گاؤں ہے جہاں حضرت حافظ صاحبؒ کے عقیدت مند ایک صوفی صاحب رہتے تھے معلوم نہیں وہ زندہ ہیں یا اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں رہا ان کی عمر اس وقت ستر سال کے قریب تھی۔ یہ بزرگ حضرت صاحبؒ کی زیارت کے لیے جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے اور کئی دن وہاں رہے۔ ذکر و فکر ان کا خاص شغل تھا جس میں انہوں نے فن کی حد تک ترقی کی ہوئی تھی ان کی توجہ میں حیرت انگیز تاثیر تھی انفعالی طبیعت والے آدمی کا دل چند منٹوں میں جاری کر دیتے تھے۔ توجہ کے لیے یہ صرف لفظ (اللہ) کا ورد کراتے تھے۔ یہ رات کے وقت اندھیرے کمرے میں بیٹھ جاتے جہاں اور بھی کئی لڑکے بیٹھ جاتے تعداد پر کوئی پابندی نہ ہوتی لیکن ایک وقت میں صرف ایک لڑکے کی طرف متوجہ ہوتے لڑکے کو سامنے بٹھا لیتے اور اپنی شہادت کی انگلی اس کے دل پر رکھ کر اسے کہتے کہ (اللہ) وہ اللہ کہتا یہ بھی کہتے پہلے آہستہ آہستہ پھر ذرا اونچی آواز میں اسی طرح وہ آدمی بھی اللہ اللہ اللہ کہتا جاتا چند منٹوں کے بعد صوفی صاحب کی آواز چیخ میں بدل جاتی یہی کیفیت سامنے بیٹھے توجہ حاصل کرنے والے پر طاری ہو جاتی وہ بے ہوش ہو جاتا صوفی صاحب خاموش ہو جاتے اور وہ بے ہوشی کی حالت میں اللہ اللہ کرتا رہتا میں اور ایک اور لڑکا اس کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر چارپائی پر ڈال دیتے اور اس کی زبان سے مسلسل اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہوتی اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا غرضیکہ کئی لڑکے اس کی توجہ سے خاصے متاثر ہوئے صوفی صاحب کا کمرہ گویا آپریشن روم تھا جس سے ہم آدمیوں کو اٹھا اٹھا کر باہر لاتے رہے۔ ان شدید متاثر ہونے والوں میں صوفی محمد اکبر خادم خاص حضرت حافظ صاحبؒ۔ مولوی محمد ادریس صابر آف کچھ بچہ ضلع قصور اور مولوی محمد اسحاق ولٹو جھوک دادو طور والے اب تک مجھے یاد ہیں صوفی اکبر پر تو زیادہ ہی اثر ہوا ان پر عموماً نماز کی حالت میں یہ کیفیت طاری ہو جاتی صوفی صاحب

کے جانے کے کافی عرصہ بعد میں نے جامعہ سلفیہ میں فکر آخرت کے موضوع پر خطبہ جمعہ دیا تو صوفی اکبر پر پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور کافی دیر کے بعد انہیں ہوش آیا۔ مولوی اسحاق وٹو کو ہم چھیڑنے کے لیے ان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے زور سے اللہ اللہ کی آواز نکالتے تو ان پر وجد طاری ہو جاتا۔

یہ سب کچھ حضرت حافظ صاحبؒ کے علم میں تھا نہ تو آپ نے صوفی صاحب کو اس سے منع کیا اور نہ ہی طلبہ کو اس سے روکا بلکہ آپ کا ارشاد تھا کہ یہ چیزیں بطور تمرین کی جائیں تو حرج نہیں اگر انہیں دین سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے۔ صوفی صاحب بھی یہی کہتے تھے۔

فنافی الجاموس

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو مختلف قوتیں رکھی ہیں ان میں ایک قوت متخیلہ بھی ہے اس میں انسان اپنی قوت متخیلہ پر کنٹرول کر کے دوسرے انسان کی قوت کو متاثر کرتا ہے جس سے دوسرا انسان خیالی اور وہمی اعتبار سے ایک چیز محسوس کرتا ہے بلکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن حقیقتہً اس کا خارجی وجود نہیں ہوتا اور یہی چیز بہت سے بے علم صوفیاء کی گمراہی کا باعث بنی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت حافظ صاحبؒ اس سلسلہ میں بڑی دلچسپ باتیں بتایا کرتے تھے۔ اصطلاحات صوفیاء میں جو فنافی الشیخ وغیرہ کے لیے تمرینات کا چکر ہے اس کے متعلق حضرت حافظ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی قوت متخیلہ کی تمرین ہے۔ ضروری نہیں کہ شیخ ہی ہو جس چیز میں چاہیں آپ فنا ہونے کی پریکٹس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک پیر نے مرید کو کہا جاؤ بھینس میں فنا ہونے کی مشق کرو مرید کچھ دن مشق کر کے پیر کے حجرے میں آیا کہ حضور میں نے مشق کر لی ہے پیر نے کہا نہیں دوبارہ کرو ابھی تم کامیاب نہیں ہوئے۔ مرید دوبارہ فنافی الجاموس کی مشق کرنے لگا کچھ دن کے بعد پیر کے پاس آیا اور حجرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پیر نے کہا آؤ اندر بیٹھ جاؤ مرید بولا حضرت اندر کیسے آؤں سینگ دروازے سے گذرنے نہیں دیتے۔

پاکیزہ رزق کے اثرات

ذکر و فکر کے متعلق بعض اوقات حضرت حافظ صاحبؒ اپنے متعلق بھی بعض واقعات

بیان فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ دوران درس آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں نے کسی شخص کو ذکر و افکار سے متعلق کچھ وظائف بتائے اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی انفعالی تھی ذکر کے غلبہ کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہونے لگا اور اس کے معمولات میں عدم توازن کی صورت پیدا ہو گئی۔ میں نے اس کا علاج اس طرح کیا کہ اسے کہا جاؤ بازار سے کوئی میٹھی چیز لے کر کھاؤ ایک دو دن میں اس کیفیت کی تیزی میں کمی واقع ہو گئی اور وہ عدم توازن دور ہو گیا۔

حضرت کی مجلس کی اثر آفرینی

حضرت حافظ صاحبؒ کو علم اور اس کے ساتھ عمل اور ذکر و فکر کے جس اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا اس کا صحیح ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں کچھ عرصہ آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور جامعہ سلفیہ کے طلبہ کو یہ موقع نصیب ہوا کہ حضرت کئی سال تک ان میں گھل مل کر رہے اور آپ کا قیام جامعہ میں طلبہ کی طرح ہی تھا اور آپ کھانا بھی وہی کھاتے جو طلبہ کے لیے پکتا تھا پانچوں وقت کی نماز آپ خود پڑھاتے تھے مغرب کے بعد عشاء کی نماز تک طلبہ آپ کے کمرہ میں بلا تکلف جا سکتے تھے بظاہر یہ مجلس آپ کی ٹانگیں دبانے کے لیے ہوتی لیکن اس وقت آپ کے پاس بیٹھ کر اور آپ کی باتیں سن کر جو طبیعت میں سکون اور یاد خداوندی کے لیے دل میں جذبہ پیدا ہوتا وہ ایک ایسی کیفیت تھی جس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں جو قلم کی زبان پر لا کر اس کی صحیح تعبیر کر سکوں۔ کیف و مستی کی وہ مجلسیں اب کہاں

ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

جامعہ سلفیہ کا مثالی دور

جامعہ سلفیہ کے شروع کے چند سال تاریخ میں ہمیشہ سنہری دور سے تعبیر کیے جائیں گے اس کے آسمان علم میں حضرت گوندلویؒ کی ذات اگر قطب کی حیثیت رکھتی تھی تو علامہ عبدہ اور مولانا شریف اللہ صاحبؒ اس کے نجوم تھے۔ مولانا عبدہ صاحب مطلع سے غائب ہوئے تو ان کی جگہ کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالغفار حسن صاحب نمودار ہوئے جنہوں نے اپنی فطری شرافت اور مقناطیسی شخصیت سے ماحول کو اچھا خاصا متاثر کیا اور حضرت حافظ صاحبؒ کی پیدا کردہ روحانی فضا کو مزید گہرا کیا اور اس کے ساتھ آپ نے لڑکوں میں عربی ادب کا

ذوق پیدا کرنے میں کامیاب کوشش کی جس کے نتیجہ میں طلبہ کے اندر، عربی زبان کے ساتھ اچھی خاصی مناسبت پیدا ہوگئی۔ طلبہ نے ایک مجلس بھی قائم کی جس کا نام الحفلۃ الادبیۃ تجویز ہوا میں اس کا پہلا سیکرٹری جنرل تھا۔ اس مجلس کے اسبوعی اجلاس ہوتے جن میں طلبہ صرف عربی زبان میں تقریریں کرتے اور عام طور پر مولانا ہی اس کی صدارت کرتے۔ مولانا عموماً دوران درس اصل کتاب سے ہٹ کر کسی اخلاقی یا عملی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتے جس میں طلبہ بھی شریک ہو جاتے اس گفتگو کا طلبہ پر بڑا گہرا اثر ہوتا اور اس سے طلبہ کی کردار سازی میں بڑی مدد ملتی جامعہ میں جب غیر علمی فضا کا غلبہ ہوا تو مولانا بھی یہاں سے چلے گئے کئی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مدرس رہنے کے بعد اب پاکستان میں تشریف لے آئے ہیں اور فیصل آباد میں غالباً حکیم عبدالرحیم اشرف کے مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔

اس دور میں جامعہ کی انتظامیہ بھی نہ صرف علم دوست بلکہ صاحب علم تھی جامعہ سلفیہ کمیٹی میں اہل علم کی کثرت بلکہ اکثریت تھی جس کے صدر حضرت سید محمد داؤد غزنویؒ تھے جن کی ذات پر علم و عمل کو ناز تھا آپ خود صاحب ذوق تھے اصحاب ذوق کی قدر کرتے تھے اسی لیے آپ نے اس دور کے اساطین علم کو جامعہ میں جمع کر دیا تھا جس سے جامعہ میں روحانیت کی ایک چھوٹی سی دنیا آباد ہو گئی جس کی آبیاری میں اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ صاحب کا کافی دخل ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی مدظلہ کے حضرت امام محمد گوندلویؒ کے متعلق خیالات

مولانا ندوی حضرت حافظ صاحب کے پرانے تلامذہ سے ہیں اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال کے قریب ہے۔ ۲۷ جولائی ۱۹۸۵ء کو میں نے حضرت مولانا سے ان کے گھر ملاقات کی میرے ساتھ اہل حدیث یوتھ فورس کے نوجوان صدر محمد خاں نجیب اور اہل حدیث یوتھ فورس کے سیکرٹری جنرل قاضی عبدالقدیر خاموش بھی تھے دراصل یہ نوجوان مولانا ندوی سے اہل حدیث یوتھ فورس کے کل پاکستان کنونشن کے لیے کسی نشست کی صدارت اور ایک مقالہ کے خواہش مند تھے۔ یہ کنونشن ۱۴۔۱۵ اگست ۱۹۸۵ء کو ۲۵ شاہ جمال یعنی جمعیت اہل حدیث کے مرکزی دفاتر میں ہو رہا ہے۔ مولانا نے صدارت اور مقالہ دونوں کا وعدہ فرمایا لیکن وہ مقالہ لکھ کر نہیں پڑھیں گے بلکہ زبانی گفتگو کریں گے۔

ہماری مولانا سے کوئی ایک گھنٹہ مجلس رہی آپ نے مشروب اور چائے سے ہماری مہمان نوازی کی۔ اور ملاقات پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔

دوران گفتگو میں نے آپ سے حضرت محدث گوندلویؒ کے متعلق آپ کی رائے اور تاثرات معلوم کرنے کی کوشش کی آپ نے جو اظہار خیال فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

آپ نے فرمایا برصغیر میں آپ کے پایہ کی کوئی دوسری شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔

آپ نے فرمایا۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جسے حضرت حافظ صاحب کی طرح جملہ علوم پر کامل استحضار ہو آپ نے فرمایا حضرت حافظ صاحب فلسفہ میں کسی طرح بھی فضل حق خیر آبادی سے کم نہیں تھے۔

نوٹ : ذہن میں رہے کہ فضل خیر آبادی فلسفہ کے امام تھے اور ان کی عظمت کی بنیاد صرف یہی فن تھا۔

علامہ شہیدؒ کے ترجمہ و تقدیم کے ساتھ ادارہ ترجمان السنۃ کی پیشکش

مسائل

حج و عمرہ

حضرت العلام شیخ عبدالعزیز بن باز

جنرل مین ادارات البحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد

سعودی عرب

دوسرے علوم سے انہیں کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا دینی علوم میں وہ افسوسناک حد تک کمزور تھے (قدوسی)

مولانا نے فرمایا میں کم عمر تھا حضرت حافظ صاحب جوان تھے ان دنوں آپ گوجرانوالہ میں پڑھاتے تھے۔ اتفاقاً وہاں سید سلیمان ندویؒ تشریف لائے انہوں نے حضرت حافظ صاحب سے بھی ملاقات کی دوران ملاقات بعض کلیدی مسائل پر گفتگو چل نکلی۔ سید صاحب آپ کی گفتگو سے کافی متاثر ہوئے اور آپ سے کلیدی مسائل میں ایک مختصر رسالے کی فرمائش کی آپ نے دو دن کے بعد اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ لکھ کر مولانا اسماعیل سلفیؒ کے ذریعہ سید صاحب کے پاس بھیج دیا سید صاحب نے وہ رسالہ بے حد پسند فرمایا افسوس کہ اب اس رسالہ کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔

مولانا نے فرمایا :

مجھے حضرت حافظ صاحب کا ایک مناظرہ بھی سننے کا اتفاق ہوا۔ پادری عبدالحق عیسائی مناظر تھا موضوع تھا توحید اور تثلیث مسلمانوں کی طرف سے مناظر مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم تھے آپ کے معاون تھے مولانا اسماعیل سلفیؒ پادری عبدالحق فلسفہ اور منطق میں کافی مہارت رکھتا تھا مناظرہ شروع ہوا تو پادری عبدالحق کا انداز بڑا خطرناک تھا اس کے دلائل سن کر مولانا میر سیالکوٹی مرحوم کو باقاعدہ پسینہ آ گیا اور مولانا سلفیؒ بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر مسلمانوں نے اپنی طرف سے حضرت حافظ صاحب کو مناظرے کے لئے کھڑا کر دیا۔ حضرت حافظ صاحب نے بڑی دل آویز مسکراہٹ سے اس کے دلائل کا تجزیہ کیا ان کو توڑا اپنے دلائل پیش کیے پادری اس صورت حال سے پریشان سا ہو گیا اور حضرت حافظ صاحب کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے بس سا محسوس کرنے لگا اور زیادہ دیر آپ کے سامنے نہ چل سکا اس مناظرے کی مختصر روئیداد حافظ صاحب کے رسالہ اثبات التوحید کی صورت میں چھپ چکی ہے۔

میں نے یکم مئی ۱۹۸۶ء کو یہ مضمون حضرت مولانا ندوی صاحب کو سنایا تو انہوں نے فرمایا یہ ایک مناظرہ نہیں تھا بلکہ حضرت سے الگ مناظرہ ہوا جس میں آپ بہت کامیاب ہوئے۔

محمد حنیف ندوی